ڈاکٹر طارق ہاشمی
شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

فروغِ اُردو کے لیے مولانا صلاح الدین احمد کی مساعی

Dr Tariq Hashmi
Department of Urdu, G C University, Faisalabad

The Role of Maulana Salahudin Ahmad Towards Promotion of Urdu

Maulana Salahudin Ahmad is one of the prominent figures whose services for Urdu are remarkable. He played a great role for the survival of Urdu before partition. When Pakistan came into being, he struggled a lot for enforcement of Urdu as national as well as official language. His services for Urdu are multi-dimensional. He gave many impressive slogans through Urdu Bolo Tehreek (Speak Urdu Movement). He established Urdu Academy and published many books for promotion of Urdu. He used to write for enforcement of Urdu in his editorials of "Adabi Dunya". Moreover he wrote articles and read papers in many conferences and played a role of strong advocate of Urdu.

مولانا صلاح الدین احمد کی اُردو کے لیے خدمات کا اگر ایمان داری سے احاطہ کیا جائے تو شاید اُن کی پوری سوانح عمری کو دُہرانا ہوگا کہ اُن کی زندگی کے شعوری حصے کا کوئی ایسا پل نہیں ہے، جو خدمتِ اُردو سے خالی ہو۔ اُردو زبان کی تحسین، فروغ، دفاع اور نفاذ اُن کی زندگی کا مقصدِ اوّل اور مدّعائے آخر تھا۔ اُردو اُن کی تہذیب تھی، اُن کا ماحول تھا، اُن کی ثقافتی فضا تھی، اُن کی وجہِ دوستی اور سببِ عداوت تھی، اُن کا نظریہ تھا، اُن کا نظامِ خیال تھا حتیٰ کہ اُن کا جزوِ ایمان تھا۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ''مولانا صلاح الدین احمد کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اعلائے کلمتہ الاردو تھا اور اِس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے مصلحت کوشی سے بے نیاز ہو کر اُردو زبان اور ادب کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اپنا تن، من اور دھن نثار کیا اور اِس کی بقا اور ترقی کے لیے اپنی پوری زندگی اور بہترین صلاحیتیں وقف کر دیں۔''(۱)

اُردو کے مولانا صلاح الدین احمد کی مذکورہ خدمات کو زمانی لحاظ سے دو حصوں میں جب کہ عملی اقدامات کی روشنی میں کئی ایک جہات کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

CamScanner

زمانی لحاظ سے اُن کی خدمات کا پہلا عرصہ قیامِ پاکستان تک کا ہے جب کہ اُردو اور ہندی کا تنازعہ اُسی طرح عروج پر تھا جیسا کہ ہندوستان کی دو بڑی اقوام کے مابین مذہب کا جھگڑا۔ اگرچہ یہ لسانی مناقشہ قطعی طور پر مصنوعی تھا اور اُس زبان کے خلاف ایک محاذ تھا جو عوام میں رائج اور مقبول تھی۔ اُس وقت کی ہندو قیادت کا یہ خیال تھا کہ:

''اُردو کا مستقبل مسلمانوں کے فرقے کا نجی معاملہ ہے اور اگر وہ اِسی زبان میں لکھنا پڑھنا چاہیں تو اُن پر کوئی پابندی مناسب نہ ہوگی۔ البتہ قومی سطح پر فوقیت ہندی یا ہندوستانی کو حاصل ہوگی۔''(۲)

یہی وہ نقطۂ نظر تھا جس کے باعث اُردو کے قومی سطح پر فروغ یا نفاذ کے خلاف سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ہر سطح پر اُردو کے فروغ کا راستہ روکا گیا۔ ہندی نواز طبقہ اُردو دُشمنی میں کا ہر نوع کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اُردو کے خلاف جلسے بھی منعقد کیے جانے لگے اور قراردادیں بھی پاس ہونے لگیں۔ الغرض کوئی موقع ضائع نہ کیا گیا۔ جون ۱۹۴۵ء میں پنجاب ساہتیہ منڈل کا ایک جلسہ زیرِ صدارت بہاری لال چاننہ منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد پاس کی گئی:

''چونکہ ریڈیو کی زبان عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت کے باعث حد درجہ ناقابلِ فہم ہے، اِسی لیے اِسی محکمے کے عملے میں فوری تبدیلیاں کی جائیں اور پچہتر فی صد اسامیاں ایسے لوگوں سے پُر کی جائیں جو ہندی دان پبلک کے نمائندے ہوں اور جو زبان کے معاملے میں ہم سے انصاف کر سکیں۔''(۳)

اُردو کے خلاف اِس محاذ کے باعث یہ ضروری سمجھا گیا کہ اِس لسانی مناقشے میں بھرپور دفاعی پالیسی اپنائی جائے۔ چنانچہ اُردو کے تحفظ کے لیے تمام مسلمانانِ ہند اور اُن کی نمائندہ جماعتیں ایک ہوگئیں اور اُسی شدومد کے ساتھ اُردو دفاع کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، جس قدر کہ جارحیت تھی۔ بقول فرمان فتح پوری:

''مسلم لیگ، مسلم ایجوکیشن کانفرنس، خلافت کمیٹی، جمعیت العلمائے پاکستان اور انجمن ترقی اُردو سمجھانے اُردو کو برصغیر کے مسلمانوں کی ثقافتی رگ سمجھ کر اُس کو بچانے کی کوشش کی۔ مسلم لیگ نے سیاسی سطح پر اُردو کا دفاع کیا اور اپنے مطالبات میں اُردو کی حفاظت کو بھی شروع ہی سے پیشِ نظر رکھا۔''(۴)

مولانا صلاح الدین احمد نے اِس صورتِ حال میں جو کردار ادا کیا وہ کسی جہاد سے کم نہیں۔ اُردو کو اپنے ایمان کا حصہ بناتے ہوئے اُردو کے فروغ اور اُس کے خلاف کارروائیوں کے سدِّ باب کے لیے تن، من اور دھن کی بازی لگا دی۔ اِسی سلسلے میں انھوں نے جو نمایاں اقدامات کیے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ ''ادبی دُنیا'' کے اداریوں میں فروغ و دفاع اُردو کو مستقل اہمیت دی۔

۲۔ ''ادبی دُنیا'' میں اپنے تنقیدی شذرات میں اُردو کے دفاع کے لیے بطورِ خاص لکھا۔

۳۔ ''ادبی دُنیا'' میں اُردو کے حق میں اور ہندوستان کی لسانی صورتِ حال پر مضامین لکھوائے اور شائع کیے۔

۴۔ ''اُردو بولو'' تحریک شروع کی اور اِس کے لیے مختلف سلوگنز بنائے۔ (اِس کی تفصیل آگے آئے گی۔)

۵۔ ''پنجاب اُردو کانفرنس'' کی بنا ڈالی۔

۶۔ اُردو یونیورسٹیوں کے قیام کی تجویز پیش کی اور ان کی عملی شکل کے لیے جدوجہد کی۔

۷۔ ''مجلسِ تعمیرِ جامعہ اُردو'' تشکیل دی، جس کا ایک اہم شعبہ ''دارالتحقیق علم و ادب'' قرار پایا۔

۸۔ اُردو زبان کے دفاع کے لیے کانفرنسوں کا انعقاد کیا اور ہر اُس عملی جہد کا حصہ بنے جو اُردو کی بقا کے لیے ناگزیر تھی۔

ذیل میں ''ادبی دُنیا'' میں اُن کے اداریوں اور تنقیدی شذرات سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں جو انھوں نے اُردو کی دفاع اور فروغ کے تحریر کیے:

''آثار نہایت مبارک ہیں اور کام کرنے والوں کا جوش تخندانہ ہو تو کچھ عجب نہیں کہ ہمارے بچوں کی ایک بہت بڑی

تعداد عادتاً اُردو بولنے لگے اور آئندہ چند سالوں میں ہندوستان کے لسانی نقشے میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو جائے۔"(۵)

"زبان کی حفاظت درحقیقت اپنے تمدن اور اپنی تہذیب کے اُن سرچشموں کی حفاظت ہے، جن سے ہم انفرادی زندگی میں مسرت حاصل کرتے ہیں اور قومی زندگی میں حرکت اور طاقت اور جب مسرت، حرکت اور طاقت آپ کے پاس ہوں تو دُنیا میں آپ کو ترقی اور فروغ سے کون روک سکتا ہے۔"(۶)

مولانا صلاح الدین احمد کی اُردو بولو تحریک:

ہندی کے مقابلے میں اُردو کے فروغ کے سلسلے میں مولانا صلاح الدین احمد کی "اُردو بولو تحریک" کا کردار بہت بھرپور ہے۔ یہ تحریک اگرچہ ابتداً اُن مختصر فرمودات بلکہ سلوگنز پر مبنی ہے جو 'ادبی دُنیا' کے صفحات پر خالی جگہوں کو پُر کرنے کے لیے درج کیے جاتے تھے مگر اپنے اثر اور اُردو کے فروغ کے سلسلے میں خاصی کارگر ثابت ہوئی۔ بعدازاں اِس کے لیے صفحہ مختص کر دیا گیا اور ادبی دُنیا کا سرورق اُلٹتے ہی اس تحریک کے سلوگنز پر نظر پڑتی جو جلی حروف میں درج ہوتے تھے۔ اس تحریک کی ابتدا کے بارے میں آغا بابر کا دعویٰ ہے کہ یہ اُن کی تجویز تھی۔ اس سلسلے میں اُن کا کہنا ہے:

"دو برس ہوئے جب "ادبی دُنیا" کا دفتر مال روڈ کی ایک عمارت میں تھا۔ میں نے ایک ملاقات شام کے دوران میں ایڈیٹر 'ادبی دُنیا' سے کہا کہ آپ پرچے میں مضمون ختم ہونے پر میر، غالب یا حالی کا کوئی شعر چھاپ دیتے ہیں۔ یہ خانہ پری اچھی چیز ہے مگر میری ایک تجویز ہے۔۔۔ یہ کہ کہیں لکھ دیا جائے "اُردو بولو" کہیں یہ کہ "بچوں سے اُردو بولو۔"(۸)

یہ مختصر سے سلوگن اپنے حلقۂ اثر کے اعتبار سے بہت وسعت کے حامل ثابت ہوئے اور یہ تحریک وقت کے ساتھ ساتھ اذہان میں ایک مثبت شعور اور تبدیلی کا باعث بنی۔ اِن اعلانات میں نہایت سادہ مگر پُراثر انداز کے الفاظ شامل کیے جاتے، جن میں لسانی سطح کی ایک فکری دعوت ہوتی۔ یہ اعلانات اُردو کے حق میں ہوتے لیکن کوئی ایسا اعلان شائع نہ ہوا، جو ہندی کے خلاف ہو، جس کا مقصد یہ تھا کہ بغیر محاذ آرائی کی فضا پیدا کیے اُردو کے لیے راہ ہموار کی جائے، چنانچہ صرف اُردو کے فروغ اور اہمیت پر اعلانات درج کیے گئے۔

ادبی دُنیا کے صفحات پر ان اعلانات کی نوعیت کیا تھی۔ مناسبت ہوگا کہ چند منتخب اعلانات درج کیے جائیں:

"اُردو بولو"(۹)

"اُردو بولو تحریک کی مدد کیجیے۔"(۱۰)

"اُردو بولو۔ اُردو بولنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔"(۱۱)

"اُردو بولو۔ اگر آپ کی زبان ایک ہے تو کبھی نہ کبھی آپ کے دِل بھی ایک ہو جائیں گے۔"(۱۲)

"اُردو ایشیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔"(۱۳)

"اُردو بولو اور ایشیا کی سب سے بڑی قوم بن جاؤ۔"(۱۴)

"قاہرہ سے لے کر شنگھائی تک اُردو یکساں طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اُردو بولو۔"(۱۵)

"اُردو اور انگریزی، انگریز اور امریکن، کو انگریزی زبان لاتی ہے۔ ہندو اور مسلمان کو اُردو زبان ملائے گی۔"

"اُردو بولو۔"(۱۶)

"اُردو کے تین گن

CS CamScanner

اُردو ہندوستان کی علمی زبان ہے　　اُردو ہندوستان کی سماجی زبان ہے　　اُردو ہندوستان کی عوامی زبان ہے

اُردو بولو۔ اور اُردو بولو تحریک میں شامل ہو جاؤ۔"(۱۷)

"اُردو بولو۔ اُردو بولنے سے ہماری قومی عزت بڑھتی ہے

اُردو کو انگریزی کی جگہ دے کر اپنا قومی وقار بڑھائیے۔ اُردو بولو۔"(۱۸)

"پنجابی، پشتو، سندھی سب ہمیں پیاری ہیں مگر اُردو،

اُردو ہماری جان اور ایمان ہے۔

اُردو بولو۔ اور ایک ہو جاؤ۔ اُردو۔ اُردو۔ اُردو۔"(۱۹)

"ہم زبانی ہم دلی کی پہلی شرط ہے۔ اُردو بولو۔

اُردو بولو اور یک جان ہو جاؤ۔"(۲۰)

"اُردو وہ جادو ہے جو سَر چڑھ کر بولتا ہے

اُردو بولو۔"(۲۱)

یہ مختصر، بے ضرر مگر پراثر اعلانات بڑی سرعت کے ساتھ ذہنی بیداری کا باعث بنے۔ اس تحریک کے اثرات کس قدر وسیع تھے۔ اس سلسلے میں مولوی عبدالحق کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

"آپ کی تحریک "اُردو بولو" نہایت قابلِ قدر اور لائقِ عمل ہے۔ یوں تو پنجاب میں اور خاص کر لاہور میں بہت سی انجمنیں اور بزمیں ہیں اور کام بھی کرتی ہیں لیکن ان سب کے کام ملا کر بھی اس تحریک کو نہیں پہنچتے۔ یہ بنیادی کام ہے۔ اِس وقت تو شاید لوگ اسے زیادہ اہمیت نہ دیں لیکن ایک ایسا وقت آئے گا، جب اس کے حیرت انگیز نتائج کا قائل ہونا پڑے گا۔ اس کی کامیابی پر ہمارے بہت سے مسائل کی کامیاب کا انحصار ہے۔"(۲۲)

تقسیم ہند کا واقعہ کئی ایک جہتوں سے غیر معمولی ہے۔ ہندوستان کا دو ملکوں میں بٹوارا ہوا۔ وحدت کی شکست کا یہ واقعہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا لیکن عجیب اسالیب ہوئے کہ ہندوستان فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ قتل و غارت اور آتش زنی اسی طرح عام ہوئی گویا یہ کوئی زندگی کے روزمرہ معمولات میں سے ہے۔

اِن واقعات میں خود مولانا کا مکان نذرِ آتش ہو گیا۔ اُن کا قیمتی کتب خانہ اور اُن کی معیشت کے اسباب جل گئے مگر خواب تا حال زندہ رہے۔ گوپال متل کا بیان دیکھیے:

"لاہور جلنے لگا اور مسلمانوں کے لٹے ہوئے قافلے وہاں پہنچنے لگے لیکن مولانا صلاح الدین احمد کی گفتگو کا محور ایک ہی رہا۔ پنجاب میں اُردو کا کیا بنے گا؟ اُن کا مکان جل کر راکھ ہو گیا تھا اور اُن کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں اُبھری تھی جب بھی مولانا کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی اور وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مصائب سے بے پرواصرف اُردو کے مستقبل کے بارے میں پریشانی کا اظہار کیا کرتے تو وہ صرف دوسروں کے مصائب ہی سے نہیں، اپنے مصائب سے بھی بے نیاز ہوتے تھے۔ انھوں نے اُردو کے غم کو اتنا اپنا لیا تھا کہ باقی تمام غموں سے بے نیاز ہو گئے تھے۔"(۲۲)(۲۳)

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا صلاح الدین احمد کی خدماتِ اُردو کا زاویہ تبدیل ہو گیا اور انھوں نے حالات کے نئے تناظر کی روشنی میں ایک الگ لائحہ عمل اختیار کیا۔

اُردو کے بارے میں مولانا کوئی محدود نقطۂ نظر نہیں رکھتے تھے، اُن کے نزدیک یہ زبان پوری ملتِ اسلامیہ کی زبان ہے اور افرادِ ملت کے مابین وحدت کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ اُردو زبان کا فروغ ہندوستان میں بڑے فطری انداز میں ہوا اور

CamScanner

صدیوں کے اشتراکِ تمدن نے اس زبان کے ارتقا میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُردو زبان کو تہذیبی اشتراک کی علامت، امین اور سرمایہ دار خیال کرتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد یہ ایک حقیقت تھی کہ یہ زبان پاکستان کے باشندوں کی زبان بن کر رہ گئی۔ ایسا نہیں کہ اب ہندوستان میں اس کی تہذیبی شناخت ختم ہوگئی بلکہ سیاست نے کچھ ایسا زاویہ اختیار کیا کہ وہاں کی حکومت نے اپنی پالیسیوں کی روشنی میں ہندی کو باقاعدہ طور پر نافذ کر دیا اور ذرائع ابلاغ و تعلیم میں ہندی کی برتری قائم کر دی۔ یہی وہ دُکھ تھا جس سے مولانا صلاح الدین احمد مغلوب ہوگئے لیکن اب یہ قضا کا فیصلہ تھا جسے قبول کیے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اُن کے خیال میں تقسیم ملک کے بعد اُردو کی عالمگیر حیثیت ختم ہو چکی ہے اور وہ زبان جو نہ صرف برِعظیم ہند، ایشیا، یورپ اور افریقہ کی ہر بندرگاہ میں بولی اور سمجھی جاتی تھی، اب ایک چھوٹے سے ملک بلکہ اُس کے ایک حصے کی زبان ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے یہ اعتراف کیا کہ یہ زبان جس عجیب دوراہے پر کھڑی ہے، اس میں سے ایک چھوٹے رستہ چند ہی قدم پر ایک مہیب چٹان کے کنارے پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا ایک خم کھا کر ایک دُور سے نظر آنے والے جنگل کی طرف چلا جاتا ہے اور جنگل پر ایک غیر یقینی مستقبل کا دُھندلکا چھا رہا ہے۔

مولانا کے مذکورہ خیالات جزوی صداقت رکھتے ہیں، خصوصاً ان کا یہ نقطۂ نظر کہ اُردو زبان کی عالمگیر حیثیت ختم ہو چکی ہے اور اب وہ ایک چھوٹے سے ملک کے ایک مخصوص خطے کی زبان ہے۔ معاصر حالات میں دیکھا جائے تو اس زبان نے اپنے فروغ کے حوالے سے کم از کم ملکِ پاکستان میں مکانی حدود کو اہمیت نہیں دی اور یہ زبان ہر خطے میں برابر فروغ پا رہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پنجاب میں اپنی تہذیبی تاریخ کے باعث زیادہ کام ہوا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد اُردو کے جس دوسرے راستے کی طرف مولانا صاحب نے جو اشارہ کیا ہے کہ وہ جنگل میں کھو جاتا ہے دراصل دشتِ فرنگ ہے۔ یہ انگریزی زبان کا وہ دُھندلکا ہے، جس میں کھو کر اُردو کو راستہ نہیں مل رہا اور مولانا صلاح الدین احمد کی معاصر کوششوں کا محور یہی تھا کہ اُردو کو کس طرح انگریزی کے مقابلے میں اُس کا جائز اور صحیح مقام دلایا جائے۔

اُن کی موجودہ کوششوں کو دیکھا جائے تو اُن میں علمی سطح پر ایک وسعت نظر آتی ہے۔ اُن کی فکری اساس کے لحاظ سے اُن کا مقالہ ''تقسیم ملک کا اثر اُردو زبان و ادب پر'' بہت اہم ہے جو انھوں نے حلقہ اربابِ ذوق کے سالانہ جلسے مارچ ۱۹۴۸ء میں پیش کیا اور بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی کی اُردو کانفرنس منعقدہ اپریل ۱۹۴۸ء میں پڑھا۔ اس مقالے میں انھوں نے نہایت دردمندی اور دُکھ کے ساتھ لکھا:

> ''ایک غلط قسم کی وطنیت اور فرقہ پرستی نے ہندوستان کے صاحبِ اقتدار طبقے میں یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے یا کم از کم ہندو مسلم اشتراکیت واتحاد کی یادگار نہیں بلکہ مسلم اقتدار کی یادگار ہے اور اس لیے اسے مٹا دینا چاہیے۔ چاہے اس کے مٹا دینے سے خود اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کا ایک نہایت خوبصورت حصہ بھی نہ مٹ جائے۔۔۔ ایک بے خیال ذریعۂ اظہار سے ہاتھ دھولیں اور مصنوعی اور بے جان کو اپنی قومی زبان سمجھ کر اختیار کرلیں۔''(۲۳)

مولانا صلاح الدین احمد کے مذکورہ بیان میں کیفیتِ کرب واضح ہے لیکن اُنھوں نے اس بات کو روگ بنانے کے بجائے اُردو کی موجودہ حیثیت میں اس کے فروغ، ارتقا اور نفاذ کے لیے اپنی کوششوں کو مربوط کیا اور آئندہ لائحۂ عمل پر غور کیا۔ اِس سلسلے میں انھوں نے اپنی تحریروں میں اُردو کی قومی زبان کی حیثیت کے موضوع کو ایک مرکزی نکتے کے طور پر اختیار کیا اور ہمہ وقت اس پر لکھتے رہے۔ انھوں نے پاکستان میں اُردو کو حقیقی معنوں میں قومی زبان بنانے کے لیے عمدہ تجاویز دیں۔ اس حوالے سے اُن کا خیال تھا:

CS CamScanner

۱۔ زبان کو سخت جکڑ بندیوں سے نجات دلائیں اور اسے اپنے نئے ماحول میں پنپنے کا موقع دیں۔
۲۔ اُردو کے وسیع تر مفاد کے پیشِ نظر اس کے دروازے صوبائی بولیوں کے مخصوص الفاظ اور محاوروں کے لیے کھول دیئے جائیں۔
۳۔ اُردو میں انتقالِ علوم کا کام بڑے پیانے پر جاری کیا جائے اور اکنافِ عالم کے علمی ذخیرے سے اُردو کی علمی اور ادبی تعمیر کی بنیادی توسیع کا کام لیا جائے۔
۴۔ ادبی مشاغل کے نام پر پانے والی تفریح کا سدِ باب کیا جائے۔

مذکورہ بالا تجاویز کی روشنی میں انھوں نے متعدد مقالات لکھے جو شائع بھی ہوئے اور انھوں نے مختلف کانفرنسوں اور سیمی ناروں میں پیش کیے۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہ ضرورت محسوس کی ''اُردو بولو تحریک'' کو ایک نئی توانائی کی ضرورت ہے اور اس کے لیے نئے حالات کے تناظر میں ایک تازہ لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے سلوگنز کے ساتھ ساتھ اپنے اداریوں اور تنقیدی شذرات میں مزید شدومد کے ساتھ لکھا اور قومی زبان کے لیے با قاعدہ ایک مجاہد کا کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے پاکستان کے تمام باشندوں، وہ چاہے کسی بھی شعبۂ زندگی سے وابستہ ہوں سے خطاب کیا اور انھیں انگریزی سے گریز کے لیے تاکید کی۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم اپنے مخاطبین سے اُردو کے سوا کسی اور زبان میں بات کرنے سے انکار کردیں۔ اگر ہم ڈاکخانے، ریلوے، مونسپلٹی، یونیورسٹی، بنک، انکم ٹیکس وغیرہ کے محکموں سے صرف اُردو میں خط و کتابت کریں اور اُن کے انگریزی خطوط واپس کردیا کریں تو مجھے اُمید ہے کہ ان اداروں میں اُردو کے رواج کی تحریک چل نکلے گی۔'' (۲۴)

اُردو کے فروغ اور نفاذ کے لیے ''اُردو بولو تحریک'' کے علاوہ انھوں نے اپنے وسائل سے ''اکادمی پنجاب'' کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے میں اُن کو سیّد وحید الدین، اے ڈی اظہر اور ڈاکٹر وزیر آغا کا تعاون حاصل تھا۔ اس اکادمی کے مقاصد اُردو زبان و ادب کی نشوونما کے لیے متنوع جہتوں میں کام کرنا تھا۔

''اکادمی پنجاب'' کے مقاصد کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید نے درج ذیل پانچ نکات پیش کیے ہیں: (۲۵)

۱۔ قومی زبان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنا۔
۲۔ اُردو کی ترقی اور فروغ کے علمی کامرانیوں میں اضافہ۔
۳۔ ملک و قوم کی تہذیب وارتقا کے لیے اعلیٰ درجے کے مصنفین کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔
۴۔ مغربی پاکستان میں سنجیدہ ادب کی نشرواشاعت۔
۵۔ ملک کے بہترین دل و دماغ کو تسکین و آسائش فراہم کرنا۔

مولانا صلاح الدین احمد نے اُردو زبان کے قومی مرتبے کی راہ میں دو بڑی رکاوٹوں کے خلاف کھل کر لکھا اور انھیں دُور کرنے کے لیے سنجیدہ تجاویز پیش کیں۔ ان رکاوٹوں میں پہلی رکاوٹ برسرِ اقتدار اور انگریزی نواز طبقہ تھا جو مختلف حیلوں بہانوں سے اُردو کو سرکاری زبان سے اجتناب کی راہ اختیار کررہا تھا۔ وہ ایوانوں میں اُردو کے حق میں آواز بھی اُٹھاتا تھا تو اس طور سے کہ اُس کے مفادات کو زک نہ پہنچے۔

> دسمبر ۱۹۵۶ء میں انجمن ''آزاد خیال مصنفین'' کے پہلے سالانہ جلسے میں انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:
> ''حضرات! یہ ایک لمحۂ فکر یہ ہے عہدِ حاضر کے اُن خواص کے لیے جو آج اپنی زبان کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے اور اپنے گذشتہ فرنگی حاکموں کی زبان کو اپنے سینے سے لگائے اور اپنی زبانوں پر چڑھائے پھرتے ہیں اور اگرچہ ان میں کوئی خسرو، کوئی فیضی، کوئی بیدل اور کوئی گرامی نہیں ہے اور اگرچہ یہ اَمر بے حد مشکل ہے اور قریب قریب محال

ہے کہ وہ انگریزی میں صاحبِ تصنیف ہوسکیں یا کم از کم اہلِ زبان کی سی زبان بول یا لکھ سکیں۔ تاہم وہ اپنی اور بچوں کی بہترین توجہ انگریزی کے حصول پر صرف کرتے اور کرواتے اور اسی نسبت سے خود اپنی زبان کی طرف سے تغافل و تساہل میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔"(۲۶)

۲۷؍اپریل ۱۹۶۲ء کو انجمنِ حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں مولانا صلاح الدین احمد نے صدرِ پاکستان سے بعض تقاضے کیے جو تاریخی بھی تھے اور دیرپا اثرات کے حامل بھی۔ انھوں نے یہ واضح مطالبہ کیا کہ بنگالی زبان کا رسم الخط عربی کیا جائے تاکہ بنگال کلکتے کے بجائے ڈھاکہ کی طرف دیکھے۔ تعلیمی اداروں سے انگریزی کا طنطنہ ختم کیا جائے تاکہ ہماری نئی نسل اپنے تہذیبی ورثے کے سوادِ اعظم سے قریب تر ہو۔ مولانا صاحب کا آخری تقاضا بہت بھرپور تھا کہ ایک وزارتِ قومی زبان قومی زبان قائم کی جائے جو دس سال کے اندر اندر اُردو کو سرکاری و دفتری زبان کے طور پر نافذ کرے اور انگریزی کے دیس نکالے میں اپنا کردار ادا کرے۔

مذکورہ تقاضوں کے علاوہ مولانا صلاح الدین احمد نے اُردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز بھی پیش کی۔ یہ تجویز دراصل بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا وہ تمنا تھی، جس کے لیے وہ اپنے آخری ایامِ زندگی میں نہایت بے تاب اور بے چین رہ چکے تھے۔

اُردو زبان کے فروغ میں محض برسرِ اقتدار طبقہ ہی رکاوٹ نہ تھا۔ مولانا صلاح الدین احمد اُن تعصبات کے شعلے بھی دیکھ رہے تھے، جو وطنِ عزیز میں لسانی بنیادوں پر بھڑکائے جا رہے تھے۔ اِس سلسلے میں بطورِ خاص مشرقی پاکستان میں جو صورتِ حال تشکیل پا رہی تھی، اُسی کے اثرات پورے ملک میں منفی طور پر سامنے آنے لگے اور جن سے قومی وحدت کا شیرازہ بکھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایسے میں مولانا صلاح الدین احمد نے نہایت دردمندانہ انداز میں لکھتے ہوئے اہلِ قوم کو متنبہ کیا:

"آج خلیج بنگال سے جو آندھی اُٹھی ہے، اُس کی جھونکے مغربی پاکستان کے میدانوں میں پہنچ کر ان چنگاریوں کو اور بھی اُجلا کر رہے ہیں، جو وحدتِ قومی کی راکھ میں کجلا کر رہ گئی تھیں اور کوئی دِن کی بات ہے کہ یہ اخگر بھی شعلوں کی صورت اختیار کر لیں گے۔"(۲۷)

مولانا صلاح الدین احمد کا مزاج رجائی تھا۔ وہ یاسیت پسند نہ تھے لیکن اُردو کو نظر انداز کیے جانے کا رویہ اُن کے لیے سخت تکلیف دہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں اُردو کی حوالے سے لکھی گئی اُن کی تحریروں میں طنز اور زہرخند کا رویہ نمایاں ہے۔ آخری دور کی تحریریں دیکھی جائیں تو انھیں اپنی موت اور اُردو کے حوالے سے اپنی خواہشات کے ادھورے پن کا احساس بڑا واضح نظر آتا ہے۔ انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ "جادۂ حیات کا یہ مسافر اپنے سفر کے آخری مراحل"(۲۸) طے کر رہا ہے اور "رخشِ زندگانی اب پر لگا کر اُڑا جا رہا ہے۔"(۲۹)

"ادبی دُنیا" کا آخری اداریہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ تحریر ایک نوحہ دِکھائی دیتی ہے۔ اِس تحریر میں یہ اَمر حیران کن ہے کہ انھیں اپنی موت کا احساس بڑی شدت سے ہوا لیکن اِس سے بڑھ کر یہ اَمر حیرت بڑھاتا ہے کہ انھیں اپنی موت کی صورت میں اپنے بچوں کی یتیمی کا اتنا احساس نہیں تھا جتنا انھیں اُردو کے یتیم ہونے کا دُکھ ہو رہا تھا۔ یہ اداریہ ملاحظہ ہو:

"اگر ایک پیارا سا یتیم بچہ آپ کے سپرد کیا جائے اور آپ سے یہ توقع کی جائے کہ آپ اِسے اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھیں گے اور اِس کی صحت مندانہ پرورش میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے تو یقیناً یہ کوئی غیر فطری یا قابلِ اعتراض بات نہیں ہوگی۔ حوادثِ زمانہ کی یہ دولت ہماری قومی زبان اُردو کی حیثیت بھی ایک یتیم بچے کی سی ہو چکی ہے۔ آج سے سترہ برس پہلے ہم نے ایک عظیم الشان جائیداد اس نونہال کی پرورش کے بہانے سے حاصل کی تھی اور جب تک یہ حاصل نہیں ہوئی تھی ہم شب و روز یہ واویلا کرتے تھے کہ جب تک ہمیں یہ جائیداد نہیں ملے گی۔ ملت کے اس لال کی صحیح پرورش کبھی نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نالہ و فریاد کا جواب اس عظیم الشان عطیے کی صورت

میں دیا جسے عرفِ عام میں مملکتِ خداداد پاکستان کہتے ہیں۔ ہماری ساری آرزوئیں پوری ہوئیں۔ آزادی نصیب ہوئی، دولت بڑھی، عزت بڑھی، اِمکانات بے پایاں ہوگئے لیکن افسوس ہے کہ اسی نسبت سے ہماری بے نیازی بےتوجہی اور کمیتی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آج کیفیت یہ ہے کہ وہ زبان جو ہماری قومیت اور ثقافت کی نمایندہ تھی اور جو مطالبہ پاکستان کے عناصر جواز میں ایک عنصر عظیم کی حیثیت رکھتی تھی اور جسے معمارِ پاکستان نے اس مملکت کی واحد قومی زبان قرار دیا تھا۔ آج ایک نامطلوب اور غیر پسندیدہ اجنبی کی طرح ہماری آنکھوں میں کھٹکتی ہے اور ہم طرح طرح کے بہانے بنا کر اس "روز بد" کو دُور سے دُور کرتے چلے جا رہے ہیں جس روز یہ اپنے صحیح منصب پر فائز ہونے کی اُمیدوار اور حق دار ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا تازہ ترین کارنامہ یہ ہے کہ برسوں سے ہم نے اس یتیم بچے کو زمین پر لٹا رکھا ہے اور خدام کو تاکید کر دی گئی ہے کہ خبردار اسے اُٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے نہ دینا۔ مبادا اُس کے دست و پا میں اتنی طاقت آ جائے۔۔۔ کہ ہمیں اس کا وہ قرض چکانا پڑ جائے جو مدتوں سے ہم پر واجب الادا ہے۔ بارہ برس کی اس عجیب و غریب معیاد میں سے جو ہم نے اس یتیم بچے کے جائزہ اہلیت کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ چار برس گزرنے کو آئے ہیں۔ اس عرصے میں جو کچھ ہم نے اس غریب کے لیے کیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھا جائے تو آیندہ آٹھ برس کی فتوحات کی نسبت کسی قسم کی خوش آیند توقعات رکھنا قطعاً بے معنی ہوگا۔ اگر ہم دِل سے چاہتے ہیں کہ بارہ برس کے اس وقفے میں ہماری قومی زبان علوم و فنون سے اس قدر مالا مال ہو جائے کہ اس کے لیے قومی زندگی کے بیش تر شعبوں میں انگریزی کی جانشینی قطعاً مشکل نہ رہے تو ہم اسے زمین پر لٹائے رکھنے اور آہستہ خرامی کا مشورہ دینے کی بجائے اسے اس قدر تیزی سے دوڑاتے کہ مہینوں کی منزلیں دِنوں میں طے ہو جاتیں مگر ایسا اسی صورت میں ہوتا جب ہمارے مقاصد بھی وہی ہوتے جو زندہ قوموں کے مقاصد ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ قومی اہمیت کے ایسے مسائل میں جیسا کہ قومی زبان کا مسئلہ ہے جب تک ساری قوم سعی و عمل کے ایک بخار میں مبتلا نہ ہو جائے، بات نہیں بنا کرتی یہ اور بات ہے کہ بات بنانا مقصود بھی ہے یا نہیں۔ انگریزی روز بہ روز ہماری انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں پر چھائے چلی جا رہی ہے اور آیندہ آٹھ برس میں آج کی نسبت بہت زیادہ چھا چکی ہوگی اور آج اعلیٰ طبقے کے جو بچے انگریزی اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں وہ اسی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر حکومت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ چکے ہوں گے۔ اس وقت ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انگریزی کی جگہ اُردو کو دِلانے کی کوشش کریں گے، ایک دیوانے کا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر کبھی برآمد نہیں ہوگی۔" (۳۰)

مولانا صلاح الدین احمد کے یہ الفاظ گویا مستقبل کے منظر نامے کی تصویر ہیں۔ اُن کی تمام تر زندگی اُردو کے تحفظ، فروغ، دفاع اور نفاذ کی کوششوں میں گزری۔ یہ کوششیں ایک ایسی زبان کے لیے تھیں جو ایک عظیم تہذیب کی ترجمان اور امانت دار تھی مگر جس ہوائے مخالف کو ورثے میں پایا اور تا حال اِس تندیٔ بادِ مخالف کا سامنا کر رہی ہے۔ غنیمت نہیں وہ لوگ جنھوں نے شعبۂ اُردو کے لیے ایک مضبوط بادبان کا کام کیا ورنہ تو اِس کے دُشمنوں ہی نے نہیں بعض نادان دوستوں نے بھی اِس کے ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"مولانا صلاح الدین احمد نے اُردو کے دفاع کے لیے ہر ممکن قدم بھی اُٹھایا اور آواز بھی۔ "ادبی دُنیا" کے اداریے، تنقیدی شذرات، اُردو بولو تحریک، اکادمی پنجاب ہر وقت آزمائی جو اُردو کے تحفظ کے لیے کارگر ہو سکتی تھی۔ یہ کہنا قطعی طور پر بجا ہوگا کہ مولوی عبدالحق کے بعد مولانا صلاح الدین احمد نے اُردو کے لیے جو مجاہدہ اور ایثار کیا اُردو کی تاریخ میں اُس کی دوسری مثال آج تک سامنے نہیں آئی۔" (۳۱)

یہ سوال اپنی جگہ کہ دوسری مثال کیوں سامنے نہیں آئی؟ اُردو زبان و ادب کے لیے فی زمانہ اِتنے اداریے موجود

CS CamScanner

ہیں اور متعدد جامعات میں اُردو کے شعبے بھی کام کر رہے ہیں لیکن تا حال اُردو کا وہی حال ہے جو مولانا صلاح الدین احمد کے آخری اداریے کی سطور میں دِکھایا گیا ہے کیا اُردو کا نفاذ واقعی ایک دیوانے کا خواب ہے، جس کی تعبیر کی تلاش ایک بے سود عمل ہے؟ اِس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ممکن ہے مستقبل میں اِس کا جواب مثبت نتائج کی صورت میں مِل جائے، فی الحال تو:

ع اِک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

حوالہ جات/ حواشی

۱۔ ڈاکٹر انور سدید: ''مولانا صلاح الدین احمد ـــ ایک مطالعہ'' اسلام آباد، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، ص ۶۵

۲۔ یہ اقتباس مولانا صلاح الدین کے نام گاندھی کے خط سے ہے، جس کا حوالہ مولانا صاحب کے صاحبزادے وجیہہ الدین نے دیا ہے۔ ملاحظہ ہواُن کا مضمون ''اب جی کی باتیں''، ''مولانا صلاح الدین احمد ـــ شخصیت اور فن'' انجمن ترقیٔ اُردو، پاکستان، ص ۳۲

۳۔ ڈاکٹر انور سدید: ''مولانا صلاح الدین احمد ـــ ایک مطالعہ'' ص ۷۹

۴۔ ایضاً، ص ۷۷

۵۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' جولائی، ۱۹۴۳ء، ص ۷

۶۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' مارچ ۱۹۴۴ء، ص ۷

۷۔ ایضاً، ص ۱۷

۸۔ آغا بابر: ''اُردو بولو تحریک''، ''ادبی دُنیا'' فروری ۱۹۴۸ء، ص ۲۶

۹۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' مارچ ۱۹۴۴ء، ص ۱۷

۱۰۔ ایضاً، اکتوبر ۱۹۴۵ء، ص

۱۱۔ ایضاً، دسمبر ۱۹۴۵ء، ص ۱

۱۲۔ ایضاً، مارچ ۱۹۴۷ء، ص ۹

۱۳۔ ایضاً، مئی ۱۹۴۶ء، ص ۳

۱۴۔ ایضاً، اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۳

۱۵۔ ایضاً، جون ۱۹۴۶ء، ص ۳

۱۶۔ ایضاً، جولائی ۱۹۴۶ء، ص ۳

۱۷۔ ایضاً، اگست ۱۹۴۶ء، ص ۱

۱۸۔ ایضاً، ستمبر ۱۹۴۶ء، ص ۱

۱۹۔ ایضاً، اکتوبر ۱۹۴۶ء، ص ۱

۲۰۔ ایضاً، نومبر ۱۹۴۶ء، ص ۱

۲۱۔ مولوی عبدالحق کا یہ بیان آغا بابر کے مضمون ''اُردو بولو تحریک'' سے اخذ کیا گیا ہے۔

۲۲۔ گوپال متل، ''لاہور کا جو ذکر کیا'' دِلّی، مکتبہ تحریر، ۱۹۴۹ء، ص ۸۵

۲۳۔ مولانا صلاح الدین احمد، ''ادبی دُنیا'' دسمبر ۱۹۴۸ء، ص ۲۵

۲۴۔ مولانا صلاح الدین احمد، ''ادبی دُنیا'' مارچ، ۱۹۴۹ء، ص ۲۴

۲۵۔ ڈاکٹر انور سدید: ''مولانا صلاح الدین احمد ـــ شخصیت اور فن'' ص ۹۸

۲۶۔ صلاح الدین احمد: خطبۂ صدارت انجمن آزاد خیال مصنفین، ص ۴

۲۷۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' فروری ۱۹۵۷ء، ص ۵

۲۸۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' دور پنجم، شمارہ ۱۱، ص ۲۵۵

۲۹۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''صریر خامہ'' (جلد سوم)، لاہور، المقبول پبلی کیشنز، س۔ن، ص ۱۵۳

۳۰۔ مولانا صلاح الدین احمد: ''ادبی دُنیا'' مارچ ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۔۹

۳۱۔ محمود احمد اسیر: ''مولانا صلاح الدین احمد ـــ احوال و آثار'' لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۲۰۰۹ء، ص ۴۰۳

CS CamScanner